Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
E-Mail:muloomi@iub.edu.pk ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
Vol.No: 32, Issue:02. (Jul-Dec 2025) Date of Publication: 27-11-2025
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

اتحاد امت میں حدیث کا کردار: حدیث نبوی ﷺ کو امت کے انتشار وافتراق کا بنیادی سبب قرار دینے کے اعتراض کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

ڈاکٹر کلیم اللہ داؤد
لیکچرار ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف بلوچستان کوئٹہ
Email of Corresponding author: kaleem511@gmail.com

Abstract:
This study examines the claim—promoted by certain Orientalists and their contemporary followers—that the Prophetic Hadith is a major cause of discord and fragmentation within the Muslim community. Focusing particularly on Zakaria Ouzon's assertion in Jināyāt al-Bukhārī, the article offers a critical and evidence-based refutation of this argument. The first section surveys authoritative Prophetic traditions that emphasize unity, mutual compassion, and the prohibition of sectarianism, thereby demonstrating that the foundational thrust of Hadith literature is the preservation of communal harmony rather than division. The study then analyzes the historical nature of juristic disagreements among scholars, showing that these divergences emerged not from Hadith itself but from variations in interpretive methods, levels of access to transmitted reports, differences in assessing authenticity, and the natural scope of human ijtihād. Drawing upon classical sources and documented cases from the era of the Companions, the paper clarifies that legitimate juristic diversity was recognized, respected, and even encouraged as a form of mercy and facilitation for the Ummah. Finally, the article highlights how misuse of scriptural texts, sectarian prejudice, and polemical motivations—not Hadith—have historically fueled destructive forms of discord. It concludes by outlining practical principles for fostering an ethic of unity in contemporary Muslim societies, especially in the face of modern ideological, political, and civilizational challenges.

Keywords: Hadith Studies, Sectarianism, Juristic Diversity, Islamic Unity, Orientalist Critique

تعارف:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدیث شریعت اسلامیہ میں احکام وقوانین کے دوسرے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کی صحیح تشریح وتوضیح کے لئے حدیث سے بڑھ کر دوسرا کوئی مستند مأخذ نہیں ہے۔ حدیث کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر، مسلمانوں کو نظریاتی طور پر اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کرنے کے لئے مستشرقین نے حدیث کو اپنی تنقید اور اعتراض کا ہدف بنایا۔ چونکہ ان کا اصل مقصد مسلمانوں میں الحاد اور تشکیک کی وباء پھیلا کر "مسلمان" کو مسلمان نہیں رہنے دینا تھا جس کے لئے انہوں ہمہ گیر اور ہمہ جہت کوششیں کیں۔ انہوں نے جہاں حدیث نبوی ﷺ پر مختلف دیگر اعتراضات کئے وہاں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حدیث کی وجہ سے امت مسلمہ میں انتشار وافتراق پھیلا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے یہ دلیل

پیش کی ہے کہ چونکہ ہر فرقے اور ہر طائفے کے پیروکاروں نے اپنے مسلک ومذہب کی تائید کے لئے حدیث نبوی ﷺ سے استدلال کیا ہے، اس لئے گویا ان کے خیالات اور افکار کا سرچشمہ حدیث ہی ہے۔

مقالہ ہذا میں ان کے اس اعتراض کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس ضمن میں سب سے پہلے ان احادیث کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں انتشار وتفرقہ کی ممانعت کی گئی ہے، اس کے بعد اس سوال کا جائزہ لیا جائے گا کہ کیا واقعی احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام امت میں افتراق اور انتشار کا ذریعہ بنی ہیں یا یہ محض ایک بے بنیاد اور لاحاصل اعتراض ہے۔

احادیث مبارکہ میں اتحاد واتفاق کی تلقین اور انتشار وافتراق کی ممانعت:

مذکورہ اعتراض کے اصل جوابات کی تفصیل میں جانے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں چند احادیث درج کرلی جائیں جن میں نبی کریم ﷺ نے امت کو متحد رہنے، اور ہر قسم کے انتشار وافتراق سے بچنے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ تاکہ ہمارے سامنے نبی کریم ﷺ کی نظر میں اس موضوع کی اہمیت اور اس کی حساسیت کی ایک معمولی سی جھلک واضح ہوجائے، جس کے بعد ایک منصف مزاج شخص کو بذات خود اس نتیجے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ جس عظیم نبی ﷺ کی تعلیمات میں اتفاق واتحاد کی اس قدر تلقین کی گئی ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ انہیں کی احادیث انتشار وافتراق کا ذریعہ بنے۔ ذیل میں اس نوعیت کی چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:۔

1۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" إن الله يرضى لكم ثلاثا، ويكره لكم ثلاثا، فيرضى لكم: أن تعبدوه، ولا تشركوا به شيئا، وأن تعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا،...[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں پسند اور تین چیزیں ناپسند کرتا ہے، تمہارے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ تم اسکی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ، اور یہ کہ تم اللہ کی رسی کو متفق ہوکر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

۲۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ سے نبی کریم ﷺ کا درج ذیل فرمان مبارک نقل کیا گیا ہے کہ:

«من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه»[2]

ترجمہ: جس نے ایک بالشت کے بقدر بھی جماعت کو چھوڑا تو گویا اس نے اسلام کے طوق کو گلے سے اتار پھینکا۔

۳۔ اسی طرح صحیح مسلم کی ایک مشہور اور زبان زد عام روایت ہے کہ:

«المؤمنون كرجل واحد إن اشتكى رأسه تداعى له سائر الجسد بالحمى والسهر»[3]

یعنی تمام مؤمن ایک آدمی کی طرح ہیں، اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس کی وجہ سے سارا بدن تکلیف اور بے خوابی میں اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

۴۔ اسی طرح ایک اور روایت میں مسلمانوں کے باہمی تعلق کو ایک عمارت کے اجزائے ترکیبی کے مابین تعلق سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

«المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا»[4]

یعنی مسلمان مسلمان کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے، جس کے اجزاء آپس میں ایک دوسرے کو مضبوط رکھتے ہیں۔

ان روایات کا سرسری مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ احادیث مبارکہ میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق کی جس قدر تاکید آئی ہے، اور جس طرح انہیں جسد واحد، اور بنیان واحد قرار دیکر اس اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنے کی تلقین اور کوشش کی گئی ہے، اور عصبیت پر مبنی نعروں کو بدبودار نعرہ قرار دیکر اس کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، ان تفصیلات کے پیش ایک منصف شخص قطعا اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے کہ احادیث نبویہ ﷺ امت مسلمہ میں انتشار وافتراق کا سبب بنی ہیں یا بن رہی ہیں۔ بالخصوص جب ہم ان کے ساتھ ان احادیث کو

ملاحظہ کریں جن میں نبی کریم ﷺ نے عصبیت اور نسلی ولسانی بنیادوں پر اختلاف کرنے کی شدید مذمت کی ہے اور سخت تاکیدی انداز میں اس سے منع کیا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے دو مشہور احادیث درج کی جاتی ہیں:

- يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى[5]

ترجمہ: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کے ذریعہ۔

- «لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ»[6]

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب کی دعوت دے، یا تعصب کی وجہ سے لڑے، یا تعصب پر مرے۔

جب حدیث میں عصبیت (خواہ وہ کسی بھی بنیاد پر ہو) کے بارے میں اتنی شدید وعید آئی ہے اور اس سے اتنی سختی سے ممانعت کی گئی ہے تو کیا اب بھی کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی باہمی تفرقہ بازی کا بنیادی سبب احادیث ہیں؟

امت کے فروعی اختلافات کی حقیقت:

در اصل اسلام کے اکثر عقائد واحکام تو وہ ہیں جن میں کسی بھی اسلامی فرقے، مسلک اور مذہب کا کوئی اختلاف نہیں ہے، مثلاً توحیدِ باری تعالیٰ، رسالت خاتم الانبیاء ﷺ، ایمان بالآخرۃ ودیگر ارکان ایمان واسلام، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی فضیلت اور اعمال سیئہ اور اخلاق ذمیمہ کی مذمت، یہ ساری وہ باتیں ہیں جن کے بارے میں کسی بھی اسلامی فرقے یا اسلامی مذہب فقہ اور مکتب فکر کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے نصوص پر مشتمل شرعی دلائل کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ قطعی الثبوت قطعی الدلالت، یعنی وہ نصوص شرعیہ جن کا ثبوت بھی قطعی اور یقینی طور پر ہو چکا ہو اور اپنے معنیٰ پر اس کی دلالت بھی بالکل واضح اور بے غبار ہو، جیسا کہ قرآن مجید کی آیات محکمات اور احادیث متواترہ۔

۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالت: یعنی وہ نصوص جن کا ثبوت تو یقینی ذریعہ سے ہو چکا ہو، البتہ اپنے مدلول اور معنیٰ پر اس کی دلالت واضح نہ ہو۔ جیسا کہ وہ آیات قرآنیہ جن کے اندر تاویل ہو چکی ہو۔

۳۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالت: یعنی وہ نصوص جن کا ثبوت تو ظنی ذرائع سے ہوا، البتہ اپنے معنیٰ اور مفہوم پر وہ بالکل صریح اور واضح انداز میں دلالت کرتی ہوں۔ جیسا کہ خبر واحد کی وہ احادیث جن کا معنیٰ اور مفہوم بالکل واضح ہو۔

۴۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالت: یعنی وہ نصوص شریعت جن کا ثبوت ظنی ذرائع سے ہوا ہو، نیز اپنے معنیٰ پر ان کی دلالت صاف اور واضح نہ ہو۔ جیسا کہ خبر واحد کی وہ روایات جن کا مفہوم ظنی ہے۔

ان دلائل میں سے پہلی قسم کے دلائل سے فرض، دوسری اور تیسری قسم کے دلائل سے وجوب، جبکہ تیسری قسم کے دلائل سے سنت اور استحباب ثابت ہوتا ہے۔[7]

اس تفصیل کی روشنی میں اگر قرآن وحدیث کا جائزہ لیا جائے تو اس کا نتیجہ کچھ یوں نکلتا ہے کہ قرآن کریم کی ساری آیات قطعی الثبوت تو ہیں، البتہ ان میں سے بعض کی اپنے معنیٰ ومفہوم پر دلالت ظنی ہیں اور بعض کی قطعی۔ جبکہ سنت مطہرہ میں ثبوت اور دلالت دونوں میں ظنی احادیث ہیں۔[8]

اب ان میں پہلی قسم کے دلائل میں تو کسی کے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، البتہ باقی قسم کی وجہ سے ائمہ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے ہیں، کیونکہ ان میں اجتہاد اور تدبر کی گنجائش ہے۔ ظاہر ہے کہ مختلف زمان ومکان کے ائمہ کرام کے نزدیک علمی ورثہ میں غور وفکر کے الگ زاویے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے نتائج فکر بھی مختلف ہوسکتے، جس کا لازمی نتیجہ ان مسائل میں ائمہ کرام کے اختلاف کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی وجوہات کی طرف علامہ ابن خلدونؒ نے اجمالی طور پر اشارہ کیا ہے کہ سلف ان دلائل سے فقہی مسائل کا استخراج اور استنباط

کرتے تھے جس میں ان کے درمیان اختلاف بھی واقع ہو جایا کرتا تھا، اختلاف کا وقوع ایک لازمی امر تھا، کیونکہ اکثر دلائل قرآن وسنت کے نصوص ہیں جو کہ اصل عربی زبان میں ہیں، ایک تو نصوص کے الفاظ میں مختلف معانیوں کا احتمال اختلاف کا مقتضی تھا، دوسرا یہ کہ خود سنت مطہرہ ثبوت کے اعتبار سے مختلف طرق اور درجات پر مشتمل ہے، نیز بعض احکام کے سلسلے میں وارد احادیث میں تعارض واقع ہوا ہے جس میں کسی ایک کو ترجیح دینے میں ائمہ کا اختلاف واقع ہو جاتا تھا۔ نیز حوادث اور روز بروز پیش آنے والی نت نئی صورتوں کے بارے میں شرعی نصوص میں صراحت کے ساتھ حکم بیان نہیں ہو چکا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان صورتوں کو نصوص میں ذکر کردہ صورتوں پر قیاس کرنے میں بھی اختلاف رونما ہو جاتا تھا۔ یہ وہ ساری وجوہات ہیں جن کی وجہ سے سلف اور ان کے بعد آنے والے ائمہ میں اختلاف پیدا ہوا۔[9]

ائمہ کے آپس کے اختلاف سے قطع نظر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک امام کی کسی مسئلے کے بارے میں ایک رائے ہوتی ہے، کچھ عرصے کے بعد ایک اور قوی دلیل کے سامنے آنے سے اس مسئلہ کے بارے میں اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس نوعیت کے واقعات امام شافعیؒ کے بارے میں بکثرت منقول ہیں۔[10] بلکہ اس سے زیادہ حیرت انگیز وہ واقعہ ہے جو اس طرح کے ایک مسئلے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک سال میراث کے مسئلے میں ماں شریک بھائیوں کی موجودگی میں حقیقی بھائیوں کو میراث سے محروم کر دیا تھا، جبکہ اس سے اگلے سال دونوں قسم کے بھائیوں کو میراث کے ایک تہائی حصے میں شریک کر کے فرمایا:

ذلك على ماقضينا وهذا على ما نقضي[11]

کہ پچھلا فیصلہ ہمارے سابقہ اجتہاد کی بنیاد پر تھا، جبکہ یہ فیصلہ ہمارے اس اجتہاد کی بنیاد پر ہے۔

نصوص کی تاویل وتشریح پر مبنی اس طرح کا اختلاف خود نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کے درمیان پیش آیا ہے۔ ذیل میں اس نوعیت کے کچھ واقعات درج کئے جا رہے ہیں:

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اجتہادی اختلافات اور ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ کار

۱۔ سنن أبو داؤد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو شخص ایک سفر پر روانہ ہوئے، ان کے پاس پانی نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی۔ بعد میں اسی نماز کے وقت کے اندر ان کو پانی میسر آیا۔ تو ان میں سے ایک نے اس پانی سے وضوء کر کے نماز دہرالی، جبکہ دوسرے صحابیؓ نے اسی تیمم سے ادا کی ہوئی نماز کو کافی سمجھ کر نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ پھر یہ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو سارا ماجرا سنایا۔ تو آپ ﷺ نے اس شخص کو جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: «أصبت السنة، وأجزأتك صلاتك» کہ آپ نے سنت کے مطابق عمل کیا اور آپ کی نماز ہو گئی۔ جبکہ دوسرے صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: «لك الأجر مرتين» یعنی آپ کو دو گنا ثواب ملے گا۔[12]

جیسا کہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے دو صحابہؓ نے اپنے اجتہاد کی بناء پر کیا ہوا عمل پیش کیا، چونکہ یہ مسئلہ ایسا تھا جس کے بارے میں قرآن کریم کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی انہیں اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث یا ہدایت معلوم تھی، جس کی وجہ سے دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو ان کے اجتہاد کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے ان میں سے کسی ایک کو غلط یا باطل قرار نہیں دیا، بلکہ دونوں کے عمل کو درست قرار دیتے ہوئے دونوں کے لئے ایک گونہ حوصلہ افزائی کے کلمات ادا کئے۔

۲۔ صحیح بخاری میں اس نوعیت کی ایک اور مشہور حدیث ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب سے واپسی کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ: «لاَ يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ العَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ» کہ کوئی شخص عصر کی نماز ادا نہ کرے مگر بنو قریظہ میں۔ صحابہ کرامؓ ابھی تک بنو قریظہ نہیں پہنچے تھے کہ عصر کی نماز کا آخری وقت ہونے لگا۔ اب صحابہ کرامؓ میں سے بعض نے کہا کہ ہم اس وقت تک نماز نہیں پڑھیں گے جب تک بنو قریظہ نہ پہنچے، جبکہ دیگر کچھ صحابہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم نماز ہی چھوڑ دیں۔ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور یہ واقعہ سنایا تو حضور ﷺ نے کسی ایک فریق کے بارے میں سخت رد عمل کا اظہار نہیں فرمایا۔[13]

یہ حدیث عہد نبوی ﷺ میں فقہی اختلاف کی ایک اہم مثال ہے، اس میں بعض صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ کے الفاظ کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے عصر کی نماز اپنے وقت سے مؤخر کر دی، جبکہ بعض دیگر صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ کی بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے یہ رائے اختیار کی کہ بنو قریظہ پہنچنے سے قبل نماز سے روکنا حضور ﷺ کا منشاء ہر گز نہیں تھا، بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ ہم جلد از جلد بنو قریظہ پہنچ جائیں۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب یہ صورتحال رکھی تو آپ ﷺ نے فریقین کے موقف کا احترام کرتے ہوئے کسی ایک موقف کو بھی غلط قرار نہیں دیا۔ کیونکہ دونوں فریق کا موقف ایک شرعی دلیل پر مبنی تھا۔

۳۔ اسی طرح بنو نضیر کے محاصرے کے موقعہ پر جب صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اختلاف ہوا کہ آیا ان کے درختوں کو کاٹا جائے یا انہیں برقرار رکھا جائے۔ بعض حضرات نے درختوں کو کاٹ لیا، جبکہ بعض کی رائے یہ تھی کہ درختوں کو نہ کاٹا جائے۔ اس اختلاف کے بارے میں قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی:

{ما قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ }[14]

ترجمہ: تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے تھا تاکہ اللہ تعالی نافرمانوں کو رسوا کرے۔

اس طرح نبی کریم ﷺ اپنے زمانے میں غیر منصوص شدہ مسائل کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے اندر اجتہاد کا ملکہ پیدا کرنے کی اور اسے بروئے کار لانے کی تربیت دیتے تھے۔ اسی اجتہاد کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

«إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، وإذا حكم الحاكم فاجتهد فأخطأ فله أجر»[15]

یعنی اگر حاکم اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ درست ثابت ہو جائے تو اس کو دو نیکیاں ملتی ہیں، اور اگر اس کا اجتہاد غلط ثابت ہو جائے تو بھی اس کو ایک نیکی ملتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بعد صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور ائمہ فقہ کے درمیان ان بنیادوں پر فقہی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے۔ اگر اس نوعیت کے فقہی اور فرعی اختلاف کے اسباب پر غور کیا جائے تو اس میں درج ذیل تفصیلات سامنے آتی ہیں۔

اسباب اختلاف فقہاء:

عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں اگرچہ اجتہادی اختلافات کے چند واقعات رونما ہوئے تھے، لیکن اس وقت تک چونکہ فقہ اور دیگر علوم کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اس لئے ان اختلافات کے اصول وضوابط اور اسباب وغیرہ منضبط نہیں کئے گئے تھے۔ بعد میں جب رفتہ رفتہ علوم شرعیہ کی تدوین ہوتی گئی اس کے ساتھ فقہی اختلاف کی نئی جہتیں سامنے آنے لگیں۔ فقہاء کے مابین فروعی اختلافات کے اسباب کے سلسلے میں بھی اسلامی علمی روایت میں بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ ان کتابوں کی روشنی میں جن اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے ذیل میں ان کا خلاصہ درج کیا جارہا ہے۔

فقہاء کے اختلافات کے بنیادی طور پر درج ذیل تین اسباب ذکر کئے گئے ہیں جن کی طرف سابقہ عنوانات کے تحت ضمنی طور پر بھی اشارہ کیا جاچکا ہے:

ا۔ مجتہدین کے ذہنی مدارک میں تفاوت

اس کے تحت درج ذیل اسباب آتے ہیں:

الف: نصوص اور ان کی تشریح وتعبیر میں مجتہدین کا اختلاف

ب: جن مسائل کے بارے میں کوئی شرعی نص وارد نہ ہوئی ہو ان مسائل کے شرعی احکام کے استنباط میں اختلاف

ج: مختلف اور متعارض احادیث کے درمیان تطبیق وترجیح میں اختلاف

د: اصول فقہ کے قواعد اور ضوابط میں فقہاء کا اختلاف۔

۲۔ احادیث کی روایت سے متعلق اسباب

اس میں درج ذیل اسباب آتے ہیں:

الف: مجتہد کو متعلقہ حدیث کا علم نہ ہو۔

ب: مجتہد کے نزدیک متعلقہ حدیث کے ثبوت میں شک ہو۔

ج: مجتہد کو حدیث معلوم تو ہو، لیکن مسئلہ کے استنباط اور استخراج کے وقت وہ حدیث ان سے بھول گئی ہو، یا ان سے ذہول ہوا ہو۔

۳۔ نصوص کی لغت

اس میں درج ذیل اسباب آتے ہیں:

الف: کسی کلمہ میں اشتراک لفظی، یعنی ایک کلمہ کے متعدد معانی ہو۔

ب: لفظ کے حقیقی اور مجازی معنیٰ کا احتمال ہو۔

ج: قراءت میں اختلاف ہو۔[16]

چونکہ ان اسباب کے مباحث میں کافی تفصیل ہے اس لئے ان سے قطع نظر کر کے صرف حدیث سے متعلق اسباب کی کچھ تفصیل ذکر کی جائیگی۔

احادیث کی وجہ سے فقہی اختلافات کی رونما ہونے کی صورتوں کا تجزیہ:

الف۔ مجتہد کو حدیث کا علم نہ ہوا ہو:

اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی حدیث کسی مجتہد کو معلوم ہو چکی ہوتی ہے، جبکہ وہ روایت دوسرے مجتہد تک نہیں پہنچ چکی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے متعلقہ مسئلے کے بارے میں ان کی آراء مختلف ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کسی ایک امام کو تمام احادیث پہنچی ہو۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسئلے سے متعلق حدیث نبی کریم ﷺ کے غار یار اور سب سے قریبی ساتھی جناب حضرت ابو بکرؓ کو بھی معلوم نہیں تھی۔ جس کا واقعہ یوں ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بحیثیت دادی میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں تو دادی کے حصے سے متعلق کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ البتہ میں لوگوں سے پوچھتا ہوں۔ لوگوں سے جب اس بابت پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ ﷺ نے دادی کے متعلق میراث کے چھٹے حصے کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کہ اس پر آپ کے ساتھ کوئی اور گواہ ہے؟ اتنے میں محمد بن سلمہؓ کھڑے ہوگئے اور مغیرہ بن شعبہؓ کی تصدیق کی۔ جس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے حق میں فیصلہ جاری کر دیا۔[17] اسی طرح کے واقعات دیگر خلفائے کے ساتھ پیش آئے۔[18]

اگر حدیث سے متعلق اختلاف کے اس سبب کو ہم مستشرقین کے اعتراض کے تناظر میں دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ ان مسائل میں حدیث بذات خود اختلاف کا سبب نہیں بنا ہے، بلکہ مجتہد تک حدیث کا نہ پہنچنا اختلافات کا سبب بنا ہے۔ اگر اس کو متعلقہ حدیث معلوم ہوتی تو اس مسئلے کے بارے میں اختلاف واقع نہ ہوتا۔

ب: مجتہد کے نزدیک متعلقہ حدیث کے ثبوت میں شک ہو۔

کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلے سے متعلق حدیث مجتہد کو پہنچی ہو۔ لیکن اس حدیث کی اسنادی حیثیت مجتہد کے نزدیک مستند نہیں ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ اس کے مطابق مسئلہ جاری نہیں کرتا ہے۔ اس کی ایک مشہور مثال رمضان کے مہینے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ کے ٹوٹنے کا ہے۔ کیونکہ جمہور ائمہؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص بھول کر کھا پی لے تو اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ جس شخص نے روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو وہ رزق تھا جو اللہ نے اس کی طرف بھیجا تھا، اس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔[19] جبکہ اس کے برعکس امام مالکؒ کے نزدیک روزہ میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان کی اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے

نزدیک نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث صحیح سند سے ثابت نہیں ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حجرؒ نے علامہ ابن العربی المالکی کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہوتی تاکہ ہم بھی اس حدیث کی اتباع کرتے۔[20]

اس نوعیت کے بہت سارے فقہی مسائل ہیں جن میں محض اس بنیاد پر اختلاف ائمہ واقع ہوا ہے کہ اس مسئلے سے متعلق حدیث مجتہد امام کو صحیح سند سے نہیں پہنچی جس کی وجہ سے اس مسئلے میں اس کی رائے دیگر ائمہ سے مختلف ہوگئی۔اس طرح کے اختلافات کا سبب بھی حدیث شریف کو قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ اختلاف حدیث کی وجہ سے نہیں، بلکہ صحیح اور مستند طریقے سے حدیث کے ثبوت کا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے اگر متعلقہ حدیث مجتہد تک باوثوق ذرائع سے پہنچتی تو وہ اس حدیث کے مطابق ہی راہ عمل اختیار فرماتے۔

ج: حدیث کا بھول جانا:

یہ بھی بعض اوقات کسی مسئلے میں اختلاف کی وجہ بن جاتا ہے۔اس کی مشہور مثال بھی ہمیں عہد صحابہؓ میں حضرت عمرؓ کی صورت میں ملتی ہے کہ ان سے جنبی آدمی کے لئے غسل کی جگہ تیمم کی مشروعیت کی حدیث بھول چکی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا کہ جس شخص پر غسل واجب ہو وہ تیمم نہیں کر سکتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ نے انہیں یاد دلایا کہ ایک سریہ میں ہمارے ساتھ اس نوعیت کا واقعہ پیش آیا تھا جس میں نے تیمم کر لیا تھا اور آپ نے نہیں کیا تھا۔ جن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے موقعہ پر بھی تیمم کافی ہو جاتی ہے۔[21]

حدیث سے متعلق اختلاف کے یہ وہ اسباب ہیں جن کا تعلق روایت حدیث سے ہے، اس کے علاوہ کچھ دیگر اسباب بھی ہیں جن کا تعلق روایت کے بجائے درایت اور معنیٰ حدیث کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً:

الف:۔ بعض اوقات اختلاف نبی کریم ﷺ کے عمل کی کیفیت کی تعیین کی وجہ سے پیش آتا ہے، مثلاً نبی کریم ﷺ نے کوئی عمل فرمایا اب بعض ائمہ نے اسے واجب ہونے پر محمول کر لیا جبکہ بعض نے سنت پر اور بعض نے استحباب پر۔

ب: کبھی حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کو واقعہ سے متعلق وہم ہو جاتا ہے، مثلاً وہ نبی کریم ﷺ کے کسی عمل کو اپنے لحاظ سے کوئی کیفیت پر محمول کر لیتا ہے، مثلاً نبی کریم ﷺ نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج کیا۔ جسے بعض راویوں نے حج قران قرار دیا، بعض نے حج تمتع جبکہ بعض نے حج افراد سمجھا۔

ج: بعض مرتبہ کسی مسئلے سے متعلق مختلف طرح کی احادیث منقول ہوتی ہیں، اب ان احادیث میں سے کسی ایک حدیث کو ترجیح دینے یا کسی کو ناسخ دوسری کو منسوخ قرار دینے میں ائمہ کا اختلاف ہو جاتا ہے۔

ان وجوہات پر بھی اگر غور کر لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان احادیث کو بھی جو فقہاء کے اختلاف کا سبب قرار دیا جاتا ہے اس میں اصل کردار خود احادیث مبارکہ کا نہیں ہے، بلکہ احادیث سے متعلق خارجی عوامل اور مجتہد کے مقرر کردہ اصول ترجیح وغیرہ ہی وہ اسباب ہیں جو اختلاف کا موجب بنتے ہیں۔اس لئے خود احادیث کو کسی بھی صورت میں اختلاف کی وجہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

فروعی اختلافات سے متعلق ائمہ اربعہ کا طرز عمل:

پھر ان فروعی مسائل میں اگر ائمہ کا اختلاف ہوا بھی ہے تو وہ اس نوعیت کا اختلاف ہرگز نہیں تھا کہ ان میں سے کسی امام نے دوسرے امام کو گمراہ یا فاسق اور کافر کہا ہو، والعیاذ باللہ۔ بلکہ انہیں اس نوعیت کے اختلافات کی حقیقت کا علم تھا کہ یہ کوئی کفر اور اسلام کا اختلاف نہیں ہے، نہ ہی یہ عقائد اور شریعت کے اصول وضوابط میں کسی بات پر اختلاف ہے بلکہ یہ اختلاف محض جزئی اور فروعی مسائل میں ہے جس میں ہر فریق کے پاس اپنے مذہب پر دلائل موجود ہیں ان دلائل کی روشنی میں انہوں نے اپنے لئے ایک موقف متعین کیا ہے جس کے بارے میں خود اس کی رائے یہ ہے کہ اس کی اپنی بساط کے مطابق اسے اپنا مذہب صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ اس میں غلطی کی گنجائش اور احتمال کو رد نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ہو سکتا ہے

اس سے اس مسئلے سے متعلق اپنے فہم اور اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہو۔ نیز وہ ویسے تو مخالف کے موقف کو درست نہیں سمجھتا ہے لیکن وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس مسئلے سے متعلق مخالف کا مذہب ہی درست ہو۔[22]

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے ایک دوسرے کا احترام بھی کرتے تھے اور کسی صورت اپنی رائے دوسروں کے ذمہ لازم نہیں کرتے تھے۔ جس کے لئے بطور دلیل امام مالک کا وہ مشہور واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ جب خلیفہ منصور یا بعض روایات کے مطابق خلیفہ ہارون الرشید نے ان کے سامنے یہ پیشکش رکھی تھی کہ وہ ان کی کتاب مؤطا کے متعدد نسخے لکھوا کر عالم اسلام کے اہم شہروں میں اسے بھیج کر سارے لوگوں کو اس بات کا پابند بنائیں گے کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں۔ امام مالکؒ نے اس پیشکش کے جوب میں فرمایا کہ:

يَا أَمِيرَ الْمُؤمِنِينَ لَا تفعل هَذَا فان النَّاس قد سبقت اليهم أقاويل وسمعوا أَحَادِيث وَرووا رِوَايَات وَأخذ كل قوم بِمَا سبق اليهم ودانوا بِهِ من اخْتِلَاف النَّاس فدع النَّاس وَمَا اخْتَار أهل كل بلد مِنْهُم لأَنْفُسِهِمْ[23]

کہ اے امیر المؤمنین، ایسا مت کیجئے، کیونکہ لوگوں تک اس سے پہلے اقوال پہنچ چکے ہیں، اور انہوں نے روایات نقل کی ہیں، اور ہر قوم ان اقوال پر عمل کر رہی ہے جو اقوال ان تک پہلے پہنچے ہیں، اس لئے لوگوں کو چھوڑ دیں کہ وہ اس مذہب کے مطابق عمل جاری رکھیں جس مذہب کے اقوال ان تک پہلے پہنچے ہیں۔ نیز امام مالکؒ سے ہی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كل واحد يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم

جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کسی شخص کے لئے اس وقت تک میرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک اس کو میرے اس قول کی دلیل معلوم نہ ہو۔ نیز جب امام صاحب کسی مسئلے کے بارے میں فتویٰ دیتے تو ساتھ یہ بھی ارشاد فرماتے کہ یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے۔ اور یہ کہ ہماری بساط کے مطابق سب سے اچھا قول ہے، باقی اگر کوئی شخص اس سے بھی اچھا قول پیش کرے تو اس قول کو لینا زیادہ مناسب ہو گا۔[24]

اسی طرح علامہ شامیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول بار بار نقل کیا ہے (إذا صح الحديث فهو مذهبي)[25] یعنی اگر کوئی صحیح حدیث ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ اسی طرح کے جملے امام شافعی اور امام احمدؒ سے بھی منقول ہے۔

اس نظریاتی ہم آہنگی کے ساتھ جب ائمہ فقہ کے مابین باہمی تعلق کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے درمیان انتہائی محبت اور احترام کا تعلق نظر آتا ہے، ، مثلاً امام شافعیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فجر کی نماز امام ابو حنیفہؒ کے مزار کے پاس پڑھی۔ اس وقت انہوں نے اپنے مذہب (فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے) کے بجائے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس صاحب قبر سے شرم آتی ہے کہ میں ان کے سامنے ان کا قول چھوڑ کر اپنے قول پر عمل کروں؟ نیز امام ابو حنیفہؒ کے متعلق امام شافعیؒ کا یہ جملہ تو بہت مشہور ہے کہ فقہ میں لوگ امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ مزید بر آں یہ کہ ایک مرتبہ امام مالکؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں فرمایا کہ وہ ایسے آدمی ہیں کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو وہ ثابت کر سکتے ہیں۔[26] اس کے علاوہ ائمہ کرام کے ایک دوسرے کے حق میں تعریف وتوصیف پر مشتمل ایسے اقوال مروی ہیں جن کو دیکھ کر ایک محقق شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کے آپس کے تعلق کی کیا نوعیت تھی۔ مزید حوالہ جات نقل کرنے کے بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں علامہ ابن تیمیہؒ کے الفاظ نقل کر کے اس بحث کو مکمل کریں۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

یعنی نماز سے متعلق متعدد فرعی اور جزئی مسائل میں اختلاف کے باوجود صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ، اس کے تلامذہ اور امام شافعیؒ وغیرہ بھی مدینہ منورہ کے ائمہ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔ اگر چہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ سراً نہ جہراً۔ اسی طرح ہارون الرشید نے ایک مرتبہ حجامہ لگوایا تھا پھر امام مالکؒ سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے وضوء نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا، اس کے باوجود امام ابو یوسفؒ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور وہ نماز دہرائی بھی نہیں۔ اسی طرح امام احمدؒ کا اصل مذہب یہ تھا کہ ناک سے خون بہنے یا حجامہ لگوانے کی صورت میں وہ وضوء ٹوٹنے کا قائل تھا، ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اگر کسی امام کی ناک سے خون نکلا لیکن اس نے وضوء کئے بغیر نماز پڑھائی تو کیا آپ ان کے پیچھے نماز

ادا کریں گے؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ میں امام مالک اور سعید بن المسیبؒ جیسے ائمہ کے پیچھے نماز کیسے نہیں پڑھوں گا(اگر چہ ان کا عمل میرے مذہب کے خلاف ہو)[27]

ان ساری تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختلاف محمود ۲۔ اختلاف مذموم

اس کو بعض حضرات نے اس سے تعبیر کیا ہے کہ فروعی اختلافات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختلاف تنوع:

۲۔ اختلاف تضاد:

ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ اختلاف تنوع کی تعریف اور صورتیں:

یعنی ایسا اختلاف جس میں حلال و حرام، حق و باطل، سچ اور جھوٹ کا اختلاف نہ ہو، بلکہ ایسے مسائل ہو اور مسائل میں اختلاف بھی اس نوعیت کا ہو کہ ان میں دونوں قول میں تضاد اور منافات نہ ہو، بلکہ دونوں قول جمع ہو سکتے ہو۔ علامہ ابن تیمیہؒ اس نوعیت کے اختلاف کی درج ذیل صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ وہ اختلافات جن میں دونوں قول اپنی اپنی جگہ درست اور مشروع ہوں۔ مثلا ایک حدیث مروی ہے جس میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو قرآن کی ایک آیت ایک ایسے طریقے سے پڑھتے ہوئے سنا کہ میں نے خود نبی کریم ﷺ سے اس کے خلاف سنا تھا۔ لہذا میں اس کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے آیا اور سارا قصہ عرض کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک میں ناگواری کے اثار نظر آئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«كِلاَكُمَا مُحْسِنٌ، وَلاَ تَخْتَلِفُوا، فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا»[28]

یعنی کہ تم دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک کہتے ہو، تم اختلاف نہ کیا کرو۔ کیونکہ تم سے ما قبل لوگوں نے اختلاف کیا تھا جس کی وجہ سے انہیں ہلاک کیا گیا۔

اس حدیث میں واضح انداز میں نبی کریم ﷺ نے دونوں قولوں کو اور دونوں صحابہ کرامؓ کو درست قرار دیتے ہوئے اس مسئلہ میں اختلاف اور اس اختلاف کی بنیاد پر لڑائی جھگڑا کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے تنبیہ بھی کہ سابقہ امتوں میں اس طرح کے مسائل میں اختلافات کی وجہ سے ان اقوام پر ہلاکت نازل ہوئی۔

اسی قسم کے ضمن میں وہ اختلافات بھی آتے ہیں جو مختلف ائمہ کے درمیان اذان واقامت کی کیفیت، تشہد وثناء کے کلمات، خوف، استسقاء اور عیدین کی نماز کے طریقے میں اختلاف وغیرہ شامل ہیں۔ جیسا کہ ما قبل میں عرض کیا گیا ہے کہ اس طرح کے اختلافات میں سارے اقوال درست اور مشروع ہوتے ہیں۔ اسے حق اور باطل کے درمیان اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسئلے میں ائمہ کا اختلاف محض لفظی اور تعبیری فرق کا ہوتا ہے۔

۳۔ بعض مرتبہ اختلاف تو واقعۃ ہوتا ہے، لیکن وہ ایسا اختلاف نہیں ہوتا ہے جس میں ایک درست اور ایک غلط ہو۔ بلکہ دونوں قول اپنی جگہ درست ہوتے ہیں۔[29]

اس طرح کے اختلافات میں کسی فریق کو یہ حق اور اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کے خلاف مزاحمت کی راہ اختیار کر کے اسے غلط، کافر یا فاسق قرار دے۔ بلکہ جیسا کہ ما قبل میں ائمہ اربعہ کے حوالے سے ذکر کردہ تفصیلات سے واضح کیا گیا کہ ان کے آپس میں نہ صرف بھائی چارے، محبت اور احترام کا تعلق تھا، بلکہ وہ رواداری کی اس آخری حد پر فائز تھے کہ مخالف مذہب کے امام کے پیچھے نمازیں بھی پڑھا کرتے تھے، بلکہ

یہاں تک کہ بسا اوقات مخالف مذہب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے مذہب پر عمل کرنا بھی چھوڑ دیتے تھے۔ آج بھی اسی رویے کو اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ مسلکی اختلافات کو اپنی حدود میں رکھتے ہوئے مسلمان آپس میں بھائی چارے اور باہمی تعاون کے ماحول میں رہیں۔

۲۔ اختلاف تضاد اور اس کی صورتیں:

تضاد دراصل عربی لفظ ہے، جو "ضد" سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہے: باہم مخالف اور متضاد اقوال۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کی تعریف مختصر الفاظ میں یوں کی ہے (القولان المتنافیان) ایسے دو قول جو باہم ایک دوسرے کے منافی ہو۔ یعنی جس طرح دن اور رات میں اس طرح کا تضاد ہے کہ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے ہیں، اسی طرح دو ایسے اقوال جن دونوں کے درمیان جمع ہونے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو انہیں متضاد اقوال کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایسا اختلاف اصول اور عقائد میں ہوتا ہے، اس لئے ایسا اختلاف بہرصورت مذموم ہی ہے۔

اس حدیث کو اختلاف مذموم کے ذیل میں ذکر کرکے علامہ ابن تیمیہؒ نے ان اسباب کے متعلق تفصیلی کلام کیا ہے جن اسباب کی وجہ سے ایک اختلاف محمود اختلاف سے نکل کر اختلاف مذموم کے زمرے میں شامل ہوجاتا ہو۔ ان کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف مذموم کے درج ذیل دو اہم اسباب ہیں:

ا۔ کبھی کبھار حسد، بغض اور علو فی الارض کی وجہ سے انسان کی نیت میں فتور پیدا ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کسی مخصوص قول کی مخالفت کرنے پر اتر آتا ہے، یا مخصوص علاقائی، قومی یا مسلکی تعصب کی وجہ سے انسان کسی ایک طرف مائل ہوکر دوسرے قول سے اختلاف کرتا ہے۔

۲۔ کبھی کبھار مختلف اقوال کی اصل وجہ جہالت ہوتی ہے، بایں معنیٰ کہ اختلاف کرنے والوں کو اصل حقیقت حال معلوم نہیں ہوتی ہے، یا وہ شرعی دلیل معلوم نہیں ہوتی ہے جو اس مسئلے کے بارے میں قول فیصل کا کردار ادا کرسکتی ہو، یا اس کو کم از کم مخالف مذہب اور موقف کی دلیل معلوم نہیں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اختلاف کی وہ صورتحال پیدا ہوجاتی ہے جسے مذموم اختلاف کہا جاسکتا ہے۔[30]

اختلافات فقہاء کی حکمت اور اس میں امت کے لئے رحمت اور تیسیر کے پہلو:

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے ایک کامل و مکمل شریعت بناکر بھیجا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ایک طرف شرعی اصول وضوابط ہیں وہیں دوسری طرف یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ زمانہ تغیر پذیر ہے، زمانہ کے تقاضے اور لوگوں کا عرف ورواج تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ بالخصوص سائنس وٹیکنالوجی کے اس دور میں جہاں روز بروز معاشی اور سماجی ایسے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن کا ماضی میں تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسے میں اگر ہم سوچیں تو ان مسائل میں شرعی تعلیم کی درج ذیل دو صورتیں ممکن ہوسکتی تھیں:

ا۔ یہ کہ قیامت تک آنے والی تمام صورتوں کا تفصیلی تذکرہ اور ان کا حکم بھی واضح طور پر قرآن وحدیث میں مذکور ہوتے۔ یہ صورت تقریباً ناممکن اور ناقابل عمل ہے، کیونکہ ایک تو شرعی نصوص چونکہ محدود ہوتے ہیں اور سینکڑوں سالوں اور تمام دنیا پر محیط لا محدود مسائل کا احاطہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسری اس میں یہ پریشانی ہوتی کہ اگر آج سے سو سال پہلے کے انسان کے سامنے سائنس وٹیکنالوجی کی نت نئی صورتوں پر مبنی آج کے پیش آمدہ مسائل کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ نہ صرف ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتا، بلکہ اس کی وجہ سے نصوص سے وعظ وتذکیر کا اصل مقصد بھی فوت ہوجاتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ شریعت کے لئے کچھ ناقابل تغیر اصول وضوابط مقرر کئے جائیں، وہ اصول ایسے ہوں جن کی روشنی میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے مسائل کا حل نکالنا ممکن ہو۔ اس طرح کے مسائل کے لئے شریعت مطہرہ میں کچھ نصوص ایسی ہیں جن میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے، یا قصدی طور پر شارع علیہ السلام نے ان مسائل میں مختلف طریقے جائز قرار دیئے ہوں تاکہ مسلمانوں کو جس صورت اور جس حکم میں سہولت ہو مسلمانوں کے ائمہ دین اور مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر اس حکم کو قبول کرکے اس صورت پر عمل کرے۔

شریعت مطہرہ میں اسی دوسری صورت کو اختیار کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ صدیاں گزر جانے اور چہار دانگ عالم میں مسلمانوں کی موجودگی کے باوجود کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں آتا ہے جس کا شرعی اصولوں وضوابط کی روشنی میں حکم معلوم نہ کیا جاسکتا ہو۔ جس کی وجہ سے اسلامی شریعت آج بھی

پوری آب و تاب اور شادابی و تازگی، جامعیت اور عموم کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتی ہے، جس طرح کہ خود عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں کرتی تھی۔

ایک مسئلہ میں مختلف اقوال کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات زمانہ، احوال زمانہ اور لوگوں کے عرف ورواج کی وجہ سے کسی ایک مذہب کے مسئلے پر عمل میں دشواری ہوتی ہے، تو ایسی صورتحال میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ مخصوص شرائط کے ساتھ دوسرے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ذیل میں چند ایسی مثالیں درج کی جارہی ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص لاپتہ ہوجائے تو احناف کے اصل مذہب کے مطابق اس کی بیوی کو لمبی مدت تک کے لئے انتظار کرنا پڑتا تھا، اس مدت کے گزر جانے سے قبل اسکے لئے کسی اور آدمی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں تھا۔ اس مسئلے کی وجہ سے بہت سی دشواریاں پیش آتی تھیں یہاں تک کہ مسلم خواتین بعض اوقات اس مسئلے کی وجہ سے ارتداد قبول کرلیتی تھیں (والعیاذ باللہ) اس مشکل صورتحال کی وجہ سے اس وقت کے علمائے ہند نے متفقہ طور پر مالکی علماء کے مشورے سے اس مسئلے میں احناف کا مذہب چھوڑ کر فتویٰ کے لئے مالکی مذہب کو اختیار کیا جس کے مطابق عدالت ایسی خاتون کو چار سال کے بعد سابقہ شوہر کی زوجیت سے آزاد کرتی ہے۔ اس مسئلے کی ساری تفصیلات کے لئے انہوں نے باقاعدہ ایک کتاب بھی مرتب کی ہے جس کا نام ہے: الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ۔

۲۔ عصر حاضر میں کاروباری سطح پر نت نئی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں بہت سے مسائل میں معاصر اہل علم اور اہل فتویٰ نے دوسرے ائمہ کے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا ہے، مثلاً مضاربت فی الخدمات اور شرکت بالعروض میں معاصر حنفی علماء نے مالکی مذہب کو اختیار کیا ہے۔

۳۔ نیز جب کرونا کی موجودہ وبا آئی اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اس وقت بھی عبادات وغیرہ سے متعلق جدید مسائل وجود میں آئے، مثلاً ایک مسجد میں متعدد بار جمعہ کی نماز کی ادائیگی، صفوں کے درمیان فاصلہ وغیرہ۔ ان سب کی گنجائش حنفی مذہب کے سوا دیگر مذاہب کے مطابق دی گئی ہے۔

خلاصہ بحث اور تجاویز وسفارشات:

جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا کہ دین کے بنیادی عقائد، اصول، شعائر اور شرائع میں امتِ مسلمہ کے مابین کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ ساری امت اس پر متفق ہے۔ باقی بعض فروعی مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی واضح حکم نہیں آیا ہے، یا جن کے بارے میں قرآن وسنت میں مختلف طرح کی نصوص وارد ہوئی ہوں، یا جن کے بارے میں وارد نصوص میں متعدد طرح کے احتمالات ہو۔ دراصل یہ احکام ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں بعض مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر شریعت کوئی ٹھوس اور واضح حکم نہیں دینا چاہتی تھی۔ ان مصالح میں سب سے اہم مصلحت یہ ہے کہ ان مسائل کے بارے میں شریعت مسلمانوں کو کسی خاص طریقے اور خاص صورت کا پابند نہیں بنانا چاہتی ہے۔ بلکہ ان کے سامنے مختلف طریقے اور راستے رکھ کر یہ سہولت دینی پیش نظر ہوتی ہے کہ وہ زمان ومکان کے تقاضوں کے مطابق ان راستوں میں سے کوئی ایک راستہ متعین کرے۔ ایسی صورتحال میں اختلاف ہوجانا ایک فطری بات ہے اور شریعت میں مذموم بھی نہیں ہے اور ایسا اختلاف خود آپ ﷺ کی موجودگی میں بھی صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی پیش آیا ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بنو قریظہ کی طرف روانہ فرما کر انہیں تاکید کی تھی کہ کوئی شخص عصر کی نماز راستے میں نہ پڑھیں، بلکہ بنو قریظہ پہنچ کر ہی پڑھے۔ اس حکم کی تعمیل اور فہم میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوگیا تھا، آپ ﷺ نے کسی ایک پر نکیر نہیں فرمائی تھی۔[31] لہذا قرآن وسنت سے مستنبط صحیح اجتہاد پر مبنی اختلاف کی نہ شریعت نے مذمت کی ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے امت میں اختلاف وانتشار پھیلا ہے۔ بلکہ شریعت نے اسے رحمت قرار دیا ہے۔

مسلکی اختلافات کے بارے میں صحیح طرز عمل اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت وضرورت:

عصر حاضر میں چونکہ امت مسلمہ کو گوناگوں چیلنجز کا سامنا ہے، مغربی تہذیب اور مادیت پرستی کے زیر اثر جہاں ایک طرف الحاد و دہریت منہ کھولے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لینے کو بے تاب ہیں تو وہیں دوسری طرف سیاسی وجغرافیائی حوالے سے بھی مسلمان تقسیم در تقسیم کا شکار ہیں۔ تشکیک اور

انکار خداوندی پر مبنی جدید فلسفہ، اور نام نہاد حقوق انسانی کی آڑ میں ہر قسم کی آزادی کی طلب اور خواہش نے مسلمانوں کی علمی اور دینی قیادت کے لئے آج وہ مسائل پیدا کئے ہیں جن کا ماضی میں تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن اسلام آج بھی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اس لئے وہ مسلمانوں کے درمیان انتشار واختلاف پیدا کرنے اور پھیلانے کا ایک ادنیٰ موقعہ بھی ضائع نہیں کرتا ہے۔ اس حالت میں مسلمانوں کے مختلف فقہی مذاہب اور مکاتب فکر کے رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اپنے آپس کے فروعی اختلافات کو پس پشت ڈال کر مجموعی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے دفاع، بقاء اور سالمیت، اور نشرواشاعت کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ اس سلسلے میں ماقبل میں ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں اخذ کردہ درج ذیل اصولوں کو بطور مشعل راہ اپنایا جاسکتا ہے:

ا

کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالفُسُوقِ، وَلاَ يَرْمِيهِ بِالكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ»[32]

کہ ایک شخص دوسرے کو فاسق کا الزام نہ دے، اسی طرح کوئی شخص دوسرے پر کافر ہونے کا حکم نہ لگائے، ورنہ اگر جس شخص کو یہ الفاظ کہے جا رہے اگر وہ ایسا نہ ہو تو یہ الفاظ کہنے والے پر پلٹ کر آتے ہیں۔

۲۔ طعن طنز وتشنیع کی ممانعت: جیسا کہ ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہوا کہ فروعی اختلاف اس وقت مذموم اختلاف بن جاتا ہے جب اس میں حد سے زیادہ غلو کیا جائے، فریقین ایک دوسرے کے اوپر طعن وتشنیع کے نشتر چلائے۔ حالانکہ ائمہ اربعہ کے آپس میں کوئی طنز وتشنیع کا تعلق نہیں تھا، بلکہ ان کے آپس میں خوب محبت وعقیدت اور احترام کا تعلق تھا۔

۳۔ اعجاب بالرائی اور غرور کی مذمت: خود پسندی اور خود رائی ایسی بیماری ہے جس کے ہوتے ہوئے ایک آدمی سے علمی انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے، نہ ہی اس کے اندر علمی برداشت کا حوصلہ پروان چڑھتا ہے، بلکہ وہ اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ کر اپنی رائے پر اس طرح مضبوطی سے جم جاتا ہے کہ وہ اپنے سوا سب کو غلط سمجھتا ہے۔ جس کی قرآن وحدیث میں سخت ممانعت آئی ہے اور یہ علمی اختلاف کے لئے مطلوب تواضع وعاجزی کے لئے زہر قاتل ہے۔

۴۔ حقد اور حسد کی ممانعت، جیسا کہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ میں متعدد احادیث میں اس سے ممانعت کی تاکید فرمائی ہے۔ نیز حسد اور بغض کی کیفیت میں مبتلا شخص کو دوسرے شخص کی خوبی اور اس کی دلیل کی مضبوطی کا ادراک نہیں ہوتا ہے، اس لئے وہ علمی اختلاف کو ذاتیات کی طرف کھینچ لیتاہے جس کی وجہ سے انتشار وافتراق پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ اختلاف کی وجہ سے انتشار وافتراق اس وقت پھیلتاہے جب اس اختلاف کے لئے شریعت کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر لیا جائے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں: "مذموم وہ اختلاف ہے کہ جس میں اپنی اہواء اور خواہشات کی بناء پر قرآن کریم سے دور رہ کر سوچا جائے۔ اگر انہی فروعی بحثوں کو اصل دین قرار دیا جائے، اور ان میں اختلاف کو جنگ وجدل اور سبّ وشتم کا ذریعہ بنا لیا جائے تو یہ بھی مذموم ہے۔"[33]

۶۔ اس کے لئے اختلاف وانتشار کو ختم کرنے میں ایک اہم کردار ہمارے تعلیمی ادارے اوران کے نصابات ادا کرسکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسکول کالجز میں ہر سطح پر نصاب میں ایسے مضامین رکھے جائیں جو امت میں اتحاد واتفاق کو فروغ دینے اور اختلاف وانتشار کو روکنے کی تاکید پر مشتمل ہو۔

ے

کے بجائے ان کی حوصلہ شکنی ہو۔ علمی اختلافات پڑھاتے ہوئے ساتھ ساتھ طلبہ کی ذہن سازی کی جائے کہ یہ محض فروعی مسائل میں اجتہادات کا اختلاف ہیں، یہ حق وباطل اور کفر واسلام کے اختلافات نہیں ہیں جس کی بناء پر کوئی ایک فرقہ دوسرے کو کافر یا فاسق یا گمراہ کہے۔ اسی طرح یہ بھی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مسالک ومکاتب فکر کے مدارس ایک دوسرے کے ہاں جانے اور ایک دوسرے کے نظام کو دیکھنے سمجھنے اوراس سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کریں جس سے ان کی آپس کی محبتیں اور قربتیں بڑھیں گی اور مسلکی انتشار وافتراق کا خاتمہ ہوجائے گا۔

۸۔ اس کے علاوہ معاشرے کے دیگر اہم پلیٹ فارمز کے ذریعے بھی اتحاد واتفاق کی پرچار کی جاسکتی ہے، مثلاً مسجد ومحراب، میڈیا وغیرہ۔

۹۔ اس موضوع پر قومی اور بین الاقوامی سطح پر کانفرنسز اور ورکشاپ منعقد کروائی جائیں، اور اس میں علمائے دین اور دانشوران ملت کو

حقیقت کی تہہ تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

۱۰۔ جدید مسائل کے حل کے لئے مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے علمائے دین اور دیگر متعلقہ افراد کی ایسی کمیٹی بنائی جائے جو جدید پیش آمدہ مسائل سے متعلق غور وغوض کرکے امت مسلمہ اور اہلیان پاکستان کو ایک متحدہ موقف دے تاکہ ان فروعی مسائل کی وجہ سے امت میں انتشار وافتراق پھیلنے کی راہیں مسدود ہوسکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالىٰ وسلم علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين۔

مصادر ومراجع:

[1] الامام مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي - بيروت (3/1340) كتاب الحدود، باب النهي عن كثرة المسائل، رقم الحديث: 10-(1715)

[2] أبو داوود، سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، المكتبة العصرية صيدا بيروت (4/241) كتاب السنة، باب في قتل الخوارج۔ رقم الحديث: 4758

[3] صحيح مسلم، حوالہ بالا (4/2000) كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المسلمين وتعاطفهم، رقم الحديث:

[4] صحيح مسلم، حوالہ بالا (4/1999) كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المسلمين وتعاطفهم، رقم الحديث: 65-(2585)

[5] أحمد بن حنبل، مسند أحمد، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421ھ- 2001م (38/474) رقم الحديث: 23489

[6] أبو داوود، سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود (4/332) المكتبة العصرية صيدا بيروت، رقم الحديث: 5121

[7] البخاري الحنفي، علاء الدين عبد العزيز، كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، دار الكتاب الإسلامي، بدون طبعة وبدون تاريخ (1/84):

[8] القطان، مناع بن خليل، تاريخ التشريع الإسلامي، الناشر: مكتبة وهبة، الطبعة: الخامسة 1422ھ-- 2001م (1/81)

[9] ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، تاريخ ابن خلدون، الناشر: دار الفكر، بيروت، الطبعة: الثانية، 1408ھ-- 1988م (1/563)

[10] الدكتور وجيه محمود، الاختلاف الفقهي أسبابه وموقفنا منه، الناشر: دار الهدى للنشر والتوزيع، بدون طبعة وتاريخ، ص 9،

[11] الخضري، محمد، تاريخ التشريع الإسلامي، ص 3. نقلا عن المرجع المذكور اعلاه

[12] الإمام أبو داؤد، سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، المكتبة العصرية صيدا بيروت، (1/93)، كتاب الطهارة، باب المتيمم يجد الماء، رقم الحديث: 338

[13] صحيح البخاري، حوالہ بالا (2/15) كتاب الجمعة، باب صلوة الطالب والمطلوب، رقم الحديث: 946-

[14] [الحشر: 5]

[15] البيهقي، أحمد بن الحسين، السنن الصغير للبيهقي، دار النشر: جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي. باكستان، الطبعة: الأولى، 1410ھ- 1989م (4/131) رقم الحديث: 3252

[16] الدكتور وجيه محمود، الاختلاف الفقهي أسبابه وموقفنا منه، الناشر: دار الهدى للنشر والتوزيع، بدون طبعة وتاريخ، ص 13.

[17] الإمام أبو داؤد، سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، المكتبة العصرية صيدا بيروت (3/121) كتاب الفرائض، باب في ميراث الجدة، رقم الحديث: 2894.

[18] مثلاً استیذان کے مسئلے سے متعلق حضرت عمرؓ کو علم نہیں تھا، ابو موسیٰ الأشعریؓ کی یاددہانی پر انہیں یاد آیا۔

[19] مسند أحمد ط الرسالة، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421ھ- 2001م (44/626) رقم الحديث: 27069.

[20] ابن حجر العسقلاني، أحمد بن حجر، فتح الباري شرح صحيح البخاري، الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1379، (4/156)

[21] صحیح مسلم، حوالہ بالا(1/280)باب التیمم، رقم الحدیث:112-(368)

[22] ابن نجیم الحنفی، الأشباہ والنظائر لابن نجیم(1/330)إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفينا في الفروع، يجب علينا أن نجيب بأن مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب مخالفينا خطأ يحتمل الصواب؛لأنك لو قطعت القول لما صح قولنا إن المجتهد يخطئ ويصيب.

[23] الدهلوي، الشاه ولي الله، الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف للدهلوي(1/38)الناشر: دار النفائس-بيروت الطبعة: الثانية، 1404

[24] الدهلوي، الشاه ولي الله، حجة الله البالغة(1/268)دار الجيل، بيروت-لبنان، الطبعة: الأولى، سنة الطبع:1426ھ-2005م

[25] ابن عابدين، محمد بن عمر، الدر المختار وحاشية ابن عابدين(رد المحتار)(1/67)الناشر: دار الفكر-بيروت الطبعة: الثانية، 1412ھ-1992م

[26] ابن الجوزي، عبد الرحمن، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم(8/131)الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة: الأولى، 1412ھ-1992م

[27] ابن تيمية، عبد الحليم تقي الدين، مجموع الفتاوى(23/375)مجمع الملك فهد، المملكة العربية السعودية، عام النشر:1416ھ/1995م

[28] صحيح البخاري(4/175)، كتاب أحاديث الانبياء، باب حديث الغار، رقم الحديث:3476

[29] ابن تيمية، تقي الدين عبد الحليم-اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم(1/152)الناشر: دار عالم الكتب، بيروت، لبنان، الطبعة: السابعة، 1419ھ-1999م(1/148)

[30] ابن تيمية، اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، بحوالہ بالا(1/148)

[31] صحيح البخاري، بحوالہ سابق(2/15)رقم الحديث:946

[32] صحيح البخاري(8/15)كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، رقم الحديث، 6045

[33] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ج:2، ص134۔